مولانا سید اسعد مدنی

مولانا عبید اللہ سندھی کا دار العلوم دیوبند سے اخراج
اور
ارباب اہتمام - کل اور آج

مجروح ہو رہی ہیں وفا داریا تو کیا
کیسے ہر ایک بات پر کہ دوں بجا کہا

چند ایام ہو رہے ہیں کہ دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند کی جانب سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا ایک ہشت ورقی کتابچہ "ایک خود ساختہ داستان کی حقیقت" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سے پہلے یہ رسالہ "ماہنامہ دار العلوم" میں بھی چھپ چکا ہے۔

اس کتابچے میں حضرت مہتمم صاحب نے احقر کی تقریر کے کچھ اجزا پر نقد و گرفت فرمائی ہے۔ یہ تقریر ۹ شوال ۱۴۰۰ھ کو دیوبند میں کل ہند مؤتمر ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کے اجلاس کے موقع پر ہوئی تھی۔ چونکہ یہ اجلاس عالمی مؤتمر کی طرف سے ہو رہا تھا۔ جو ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کی ایک آزاد تنظیم ہے۔ اس لیے موقع کی مناسبت سے فرزندان دار العلوم کی اولین تنظیم "جمعیۃ الانصار" کا ذکر اس میں آگیا۔ جو حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نظامت ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی تھی۔ جس نے مولانا سندھیؒ مرحوم کے حسن عمل، حسن انتظام اور کردار سے تھوڑے ہی دنوں میں اچھی خاصی مقبولیت اور وسعت اختیار کر لی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے دار العلوم کے ارباب بست و کشاد سے برداشت نہ کر سکے اور تنظیم کے روح رواں حضرت مولانا سندھیؒ کو مختلف حیلوں سے

دارالعلوم سے الگ کرکے اس چڑھتی اور بڑھتی ہوئی تنظیم کو دبا دیا گیا۔

ویسے تو اپریل ۱۹۸۰ء ہی سے دسیوں نام نہاد پرچوں اور لاتعداد کتابچوں اور مسلسل بیانات کے ذریعے ناقابلِ یقین و تصور جھوٹے الزامات، سوقیانہ اور عامیانہ تحریروں کا سلسلہ جاری ہے۔ اس میں بعض ایسی باتیں تحریر کی گئی ہیں جن کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ لینا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ حقائق ابھر کر سامنے آجائیں جن پر اس مقالے کے ذریعے پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مضمون میں میری تقریر کا جو حوالہ پانچ سطروں میں نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہاں تک صحیح اور درست ہے اس بحث کو ابھی یہیں چھوڑیئے۔ سردست اس خود ساختہ خلاصہ کو سامنے رکھ کر جو اعتراضات قائم کیے گئے ہیں اور تقریر میں بیان کیے گئے واقعات کو تاویلوں کے دبیز پردے میں جس طرح چھپا دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کا جائزہ لیتے چلیں اس مقالے میں کہا گیا ہے کہ اسعد نے اپنی تقریر میں "جمعیۃ الانصار" کے قیام کی نسبت مولانا عبیداللہ سندھی کی جانب کی ہے پھر اس پر نقد کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> "یہ دعویٰ اس حد تک قابلِ تسلیم ہے کہ مؤتمر الانصار کا یہ فکر اولاً مولانا سندھی کے دماغ میں آیا..... لیکن اس حد تک غلط ہے کہ جمعیۃ الانصار مولانا سندھی نے قائم کی، بلکہ جمعیۃ انھیں بزرگوں حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمد احمد صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہم اللہ نے مولانا عبیداللہ سندھی کے اظہار خیال پر باہمی تبادلۂ خیال سے خود دارالعلوم میں قائم کی۔ (داستان کی حقیقت ص۴، ۵)

اول تو یہ تقریر کی بات ہے ممکن ہے احقر نے قیام کی نسبت حضرت شیخ الہندؒ کی جانب کی ہو یا کسی کا نام نہ لیا ہو۔ نیز تقریروں میں حشو و زوائد کا پایا جانا عین ممکن ہے۔ جو چنداں قابلِ گرفت نہیں۔ پھر قید تحریر میں نہ ہونے کی بناء پر آیندہ کے لیے اس کا ریکارڈ بھی محفوظ نہیں رہتا بایں ہمہ اگر ایسا کرنا قابلِ گرفت جرم ہے تو نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ "این گناہ ہیست کہ در شہر شما نیز کنند" ذرا مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند کا مطالعہ فرمائیں حضرت مہتمم صاحب مولانا سندھی مرحوم کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے تحریر فرما رہے ہیں:

> دارالعلوم میں آپ نے (مولانا سندھی) جمعیۃ الانصار قائم کی، جس کے دو بڑے

بڑے اجلاس مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے۔ آپ دارالعلوم کو ایک علمی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا نقش اول جمعیۃ الانصار تھا۔ (مختصر تاریخ دارالعلوم)

سوال یہ ہے کہ جس بات کو خود مہتمم صاحب تقریباً سترہ اٹھارہ سال قبل تاریخی انداز میں سپرد قلم فرما چکے ہیں۔ آج اسی بات کی خود انھیں اس شد و مد کے ساتھ تردید و انکار کی کیوں ضرورت پیش آگئی، کیا اس بیان سے فضلا کی تشکیل تنظیم کے فطری حق کا اثبات تو نہیں ہو رہا ہے جسے مہتمم صاحب کسی قیمت پر دینے کے لیے تیار نہیں ہیں؟

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کو دارالعلوم دیوبند سے کیوں الگ کیا گیا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

ان کی (مولانا عبید اللہ سندھی) علاحدگی جمعیۃ الانصار کو ختم کرنے کی بناء پر قطعاً نہ تھی بلکہ اختلاف فکر و نظر اور بعض فروعی اختلافات کی بناء پر ہوئی تو پورے حلقہ دارالعلوم میں تشویش کی نگاہوں سے دیکھے جا رہے تھے۔ (داستان کی حقیقت ص۶)

مولانا سندھی مرحوم کی دارالعلوم سے علاحدگی کا قضیۂ ناصیہ جس زمانے میں پیش آیا ہے بقول خود مہتمم صاحب اس وقت نو عمر تھے۔ علمی مباحث کو سمجھنہ پاتے تھے۔ اس کے برعکس مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم جنھیں مہتمم صاحب نے اسی رسالے میں حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں شمار کیا ہے (ص۶) اس وقت دارالعلوم میں دورہ حدیث کے طالب علم تھے اور ادارہ اہتمام کے معتمد بھی اور اس واقعہ کے عینی شاہد بھی انھوں نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مہتمم صاحب کی تحقیق کے خلاف ہے وہ لکھتے ہیں:

دوسری بات جسے اس سلسلے کی ایک کڑی سمجھنی چاہیئے یعنی مولوی عبید اللہ سندھی اور ارباب مدرسہ کی کشیدگی پھر بھی باقی رہی اور یہ مسئلہ بھی واضح ہوتا چلا گیا کہ حضرت شیخ الہند اور مولوی عبید اللہ دونوں کا زاویہ خیال مدرسہ کے ارباب بست و کشاد سے جدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ تبلیغ والا مسئلہ تو خیر ایک علمی تھا اور حقیقت ان دونوں صفوں میں حقیقی اختلاف سیاسی طریقۂ عمل کے متعلق تھا۔

(ماہنامہ دارالعلوم مجریہ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ ص۴۲)

مہتمم صاحب اس علاحدگی کی وجہ بعض فروعی اختلافات کو قرار دے رہے ہیں لیکن واقعے

کے عینی مشاہد مولانا گیلانی کی زبانی سن لیا کہ یہ ایک علمی مسئلہ تو برائے بیت تھا اس کا اصلی اور حقیقی سبب سیاسی طریقہ عمل سے متعلق تھا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ اس معاملے میں حضرت شیخ الہند مولانا سندھی کے نہ صرف ساتھ تھے بلکہ ان کے اندر قومی سیاست کا جذبہ پیدا کرنے والے خود حضرت شیخ الہند ہی تھے، لیکن نزلہ ہمیشہ عضو ضعیف ہی پر گرتا ہے اس لیے غریب و مظلوم سندھ کو نشانہ بنایا گیا۔ موصوف کو دہلی میں پناہ لینی پڑی۔ مگر حضرت شیخ الہند پر براہ راست ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے تو اس سلسلے میں عجیب انکشاف فرمایا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ مولانا سندھی مرحوم کو دارالعلوم سے الگ خود برطانیہ گورنمنٹ کے اشارے پر کیا گیا اور اسی کارنامہ پر اس وقت کے مہتمم صاحب کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

"بہرحال اصل سبب وہ امر ہے جس کی بناء پر مسٹن گورنر یوپی دیوبند اور دارالعلوم دیوبند میں کیا گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔" (نقش حیات ص۲۴ ج ۲ حاشیہ)

اس کی مزید تصدیق لندن سے حاصل شدہ ریکارڈ متعلقہ ریشمی خطوط سازش کیس سے بھی ہوتی ہے حکومت برطانیہ کا سی۔ آئی۔ ڈی، "جمعیۃ الانصار" کے متعلق اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"ابتداء میں دیوبند کے مدرسہ کی ساری مجلس منتظمہ جمعیۃ الانصار کے حق میں تھی جلد ہی عبیداللہ نے انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کو طالب علم بھرتی کرنا شروع کر دیا، اس پر اس ادارے نے نیم سیاسی نوعیت اختیار کر لی، جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور دیوبند کے ذمہ داروں نے ترکی کے مالی امداد کے جواز پر فتویٰ جاری کر دیا تو اچانک جمعیۃ الانصار اپنے اصلی رنگ میں آگئی اور انتہائی متعصب سیاسی جماعت بن گئی۔ مولوی، طلبہ اور دوسرے لوگ مبلغ بنا کر بھیجے گئے اور ترکی کی مدد کے لیے ہلال احمر کے فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کی جانے لگیں۔ غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تبلیغ بڑے شد و مد سے کی گئی۔ اس کی شاخ قاسم المعارف نے کلکتہ میں چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں بہت کافی سرگرمی دکھائی، اس پر مدرسہ کے سنجیدہ لوگ چونکنے ہوئے اور ایسے اختلافات پیدا ہوئے کہ عبیداللہ کو ۱۹۱۳ء میں استعفیٰ دینا پڑ گیا۔ اور جلد ہی اس ادارے کا وجود بھی ختم ہو گیا۔

(ریشمی خطوط کیس میں کون کیا ہے ص۴۹)

ایک دوسرے مقام پر مولانا عبید اللہ مرحوم اور جمعیۃ الانصار کی حکومت مخالف سرگرمیوں کی تفصیلی رپورٹ درج کرنے کے بعد یہی سی، آئی، ڈی لکھتا ہے :-

"مدرسہ کی نیک نامی کی بقا کے لیے مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ عبید اللہ کو، انیس احمد اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ سے خارج کر دینا چاہیئے" مولانا شیخ الہندؒ نے یہ فیصلہ پسند نہیں کیا"۔

ان واضح شواہد کے باوجود مہتمم صاحب اس بات پر بضد ہیں کہ مولانا سندھی مرحوم کو نعوذ باللہ ارتدادی عقیدہ کا حامل قرار دے کر دارالعلوم سے ان کے اخراج کے مسئلے کو تنظیم اور سیاسی سرگرمیوں سے کاٹ دیں۔ جب کہ حضرت شیخ الاسلام، مولانا گیلانی اور حکومت کا سی آئی ڈی سب اس پر متفق ہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھی کا دارالعلوم سے اخراج اور جمعیۃ الانصار کی شکست وریخت محض اس بنیاد پر تھی کہ مولانا سندھی نے اربابِ اہتمام کے علی الرغم اس کا رُخ انگریز گورنمنٹ کی مخالفت کی جانب موڑ دیا تھا اور حقیقتاً حضرت شیخ الہند کے سامنے جمعیۃ الانصار کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا۔

اب بتایا جائے کہ اربابِ مدرسہ تنظیم ابنائے قدیم کے کتنے حامی اور دلدادہ ہیں، انھوں نے کب تنظیم قائم کی یا اگر اتفاق سے قائم ہوگئی تو کب اسے باقی رہنے دیا۔

دور جانے کی ضرورت نہیں اس وقت عالمی مؤتمر ہی کو دیکھ لیں کہ یہی اربابِ اہتمام اس کی مخالفت میں کس طرح ہر قسم کے اوچھے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اتر پڑے ہیں اور اپنے ہی ابنائے قدیم کو رسوا اور بدنام کرنے کے لیے کیسے کیسے جتن کر رہے ہیں ..... پھر یہ عجیب معاملہ ہے کہ انھیں ثابت شدہ امور کی جانب اس فقیر نے صرف اشارہ کر دیا تو حضرت مہتمم صاحب اس درجے برہم ہو گئے کہ ساب الموتی، داستان ساز وغیرہ بنا ڈالا۔ لیکن انھیں باتوں کو آج سے تقریباً ۲۸، ۲۹ برس قبل مولانا گیلانی نے نہ صرف یہ کہ زبانی کہا بلکہ اسے لکھ کر ماہنامہ دارالعلوم میں (جو حضرت مہتمم صاحب کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے) چھپوا دیا۔ لیکن مہتمم صاحب نہ مولانا گیلانی کے اوپر خفا ہوئے اور نہ تردیدی مضمون لکھنے کی ضرورت محسوس کی آخر یہ تفریق کیوں ہے ؟ کیا مولانا گیلانی کی تردید کرنے سے یہ اندیشہ تو نہیں مانع نہیں ہو گیا کہ اگر انھیں چھیڑ دیا گیا تو۔

بہت سے سربستہ راز طشت از بام ہو جائیں گے ؟ آگے چل کر اپنے اسی دعوے کو قوی کرنے کی سعی میں لکھتے ہیں :

" پھر اس تفاوتِ مشرب کو شدت سے محسوس کیا جاتا اور اس مولانا سندھی کے علاحدہ کیے جانے کا عزم درحقیقت حضرت بانیٔ اعظم مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس بنیادی اصول پر مبنی تھا، جو ان کے اصولِ ہشتگانہ میں سے ایک اہم اصول ہے جو دارالعلوم اور دیگر مدارس دینیہ کے لیے آپ نے وضع فرمائے تھے حضرت اقدس لکھتے ہیں :

"یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں ؟

(داستان کی حقیقت ص)

...... یہ اصول سرآنکھوں پر مگر کیا یہ درست ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم دیوبندی مسلک و مشرب کے پابند نہیں تھے اور اسی لیے اس اصول کی روشنی میں ان کو علاحدہ کیا گیا ؟ بالکل نہیں دارالعلوم سے ان کے اخراج کا سبب ان کی حکومت برطانیہ کی مخالفانہ پالیسی تھی جیسے ہم گزشتہ سطور میں بالتفصیل اور قوی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں ، رہا مولانا سندھی کے مسلک و مشرب کا سوال تو اس کے لیے حضرت شیخ الاسلام مولانا والونا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی تحریر ملاحظہ ہو !

" جن لوگوں نے ان کو (مولانا سندھی) ۱۳۲۶ھ اور اس کے مابعد زمانے میں دیکھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا موصوف عموماً نہایت ساکت و صامت رہتے تھے فضول گوئی اور لایعنی امور سے نہایت محترز، مشاغل قلبیہ اور معارفِ علمیہ میں منہمک، عبادات اور اعمالِ صالحہ کے دلدادہ، بزرگانہ دین اور اکابرامت کے انتہائی مخلص اور ان کے عقیدت مند اور متادب پائے جاتے تھے ان کی ہر ہر حرکت اور سکون اور ہر ہر قول و عمل سے متانت و رزانت ٹپکتی تھی، قرآن شریف کی خدمت اور احادیث نبویہ اور کتب دینیہ فقہیہ وغیرہ کی اشاعت و تعلیم اُن کا

سرمایہ حیات، ان پر زر و مال، جاہ و عزت کا کوئی اثر نہ تھا، روپیہ کو ٹھیکری بلکہ مینگنی کی طرح سمجھتے تھے اور جاہ دنیاوی اور عزت فی الخلق کو لاشئ محض خیال کرتے تھے امراء اور اہل دولت سے ان کو وابستگی تو درکنار نفرت تامہ تھی۔ غربا، فقرا، طلبہ اور اہل اللہ سے ان کو انس عظیم تھا۔ دن رات اصلاح عقائد و اعمال کی ترقی کی فکر اور امت مسلمہ کی مغربی زہر آلود تعلیم اور الحاد و بے دینی کے وبائی جراثیم سے حفاظت مشغلہ اور نصب العین تھا۔" (ذاتی ڈائری مولانا عبید اللہ سندھی ص۴۳)

اس عبارت کو ایک بار پھر پڑھ جائیے، فضول گوئی اور لایعنی امور سے احتراز، مشاغل قلبیہ اور معارف علمیہ میں انہماک، عبادات اور اعمال صالحہ کے دلدادہ، بزرگان دین اور اکابر امت کے مخلص اور معتقد، متانت و رزانت کے پیکر، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی خدمت سرمایۂ حیات مال و جاہ اور دنیاوی عزت سے بے پروا، امرا اور اہل ثروت سے متنفر، فقرا، طلبہ اور اہل اللہ کے گرویدہ، اصلاح عقائد و اعمال صالحہ کی ترقی میں کوشاں وغیرہ خصال حمیدہ کس شخص کے شمار کرائے جا رہے ہیں؟ یہ جملہ اوصاف حسنہ اسی مظلوم حضرت سندھی کے ہیں جسے غیر تو غیر سمجھتے ہی رہے، اپنوں نے بھی مرتد اور واجب القتل وغیرہ کہہ کر اپنی مجلس سے خارج کر دیا ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

آخر ان اوصاف و خصائل کے باوجود وہ کیوں کر دیوبندی مسلک و مشرب سے مختلف تھے، کیا ان صفات حسنہ کے علاوہ دیوبند مسلک و مشرب کچھ اور ہے؟

پھر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا یہ اصول حضرات اساتذہ کے لیے ہے، مولانا سندھیؒ دارالعلوم میں مدرس نہیں تھے بلکہ وہ ابنائے قدیم کی تنظیم کے ناظم تھے، جسے بدقسمتی سے اہتمام نے اپنے اختیارات کے حصار میں محصور کر رکھا تھا، اس لیے وہ اس اصول کے ذیل میں آتے ہی نہیں، لیکن اپنی مقصد براری کے لیے کھینچ تان کر اس اصول کو ان پر چسپاں کیا جا رہا ہے۔

آگے بطور پیش بندی اور دفع دخل مقدر کے ارشاد ہوتا ہے:

"رہا یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اس اختلافی فکر و نظر کے باوجود مولانا سندھیؒ

کو اپنے سے کیوں وابستہ رکھا اور ان کے اختلال مشرب کو برداشت کیا سو وہ معاذ اللہ
ارباب اہتمام کے علی الرغم یا ان کے مقابلے کے لیے نہ تھا جیسا کہ مشہور کیا جارہا ہے ،
بلکہ اس لیے تھا کہ حضرت شیخ الہند جو کام ان سے لینا چاہتے تھے اس کے انجام دینے
کی صلاحیت انھیں میں سب سے زیادہ محسوس فرماتے تھے" (داستان کی حقیقت ص۸)

اسی لیے تو موصوف کو برداشت نہیں کیا گیا، اگر عقیدے اور دین کی بات ہوتی تو اس مباحثہ میں حضرت شیخ الہندؒ کو جو کہ شیخ الحدیث استاذ الکل اور حضرت نانوتویؒ کے جانشین اور ان کی امانتوں کے صحیح امین تھے، ضرور شریک کیا گیا ہوتا، ان ایک اشارہ مولانا سندھی کے رجوع کے لیے کافی ہوتا مگر یہ علمی بحث ومباحثہ تو محض دکھانے کے لیے تھا اصلی سازش تو انگریز کی تھی۔

کیا اچھا ہوتا کہ حضرت مہتمم صاحب لگے ہاتھوں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہوتا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ مولانا سندھی کے ساتھ نصرت وحمایت اور مؤدت ومحبت کا جو معاملہ فرماتے تھے کیا کسی فاسد العقیدہ، واجب القتل، مرتد کے ساتھ ایک دینی مقتدا کا اس طرح کا برتاؤ کرنا شرعاً روا اور جائز ہے۔

کافر اور مشرک اور مرتد کے احکام میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لیے تحریکات میں غیر مسلموں کی شمولیت کو نظیر بنانا عبث ہے۔ حیرت ہے کہ مہتمم صاحب بایں تبحر علمی ایک واضح حقیقت کو چھپانے کی تگ ودو میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مولانا سندھی کے ساتھ ارباب اہتمام نے جو کچھ کیا وہ اسی جرم بے گناہی کی سزا کے طور پر تھا، جس کا چسکا ان کے اندر خود حضرت شیخ الہندؒ نے پیدا کیا تھا، یعنی انگریز دشمنی، جسے ارباب اہتمام ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے، لیکن براہ راست اس پر ایکشن لینے میں بہت سے خطرات تھے اور سب سے بڑا خطرہ تو خود حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی تھی اس لیے ایک علمی مسئلے کا شاخسانہ بظاہر کھڑا کرکے اس کی آڑ میں مظلوم حضرت سندھی کو ہٹھلایا گیا۔ اس کارروائی سے حضرت شیخ الہند کو کس قدر اذیت پہنچی تھی اور اس سے وہ کس درجہ متاثر ہوئے تھے اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کارروائی کے عمل میں آنے کے بعد جب حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جن سے مولانا سندھی کی تکفیر کے فتویٰ پر دستخط لیا گیا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس میں پہنچے تو حضرت

نے ان کی جانب سے رُخ پھیر لیا، بعد میں بڑی منت سماجت کے بعد ان سے راضی ہوئے، اگر یہ کارروائی واقعی شرعی نقطۂ نظر کے مطابق تھی اور دین کے ایک اہم تقاضے کو پورا کرنے کے لیے عمل میں لائی گئی تھی تو اس سے حضرت شیخ الہندؒ کی ناراضگی اور ناگواری کی کیا توجیہ ہوگی ؟ پھر یہی مولانا انور شاہ کشمیریؒ جو بقول حضرت مہتمم صاحب اس مسئلے میں پیش پیش تھے اور مولانا سندھی سے اکثر مباحثہ کرتے رہتے تھے، انھیں کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ تو مولانا سندھی کے نام حجاز سے ایک پیغام بھیج کر معذرت چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معذرت نامہ :

"قیام دیوبند کے زمانے میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنا تھا۔ اب میرے دل میں آپ کے لیے کوئی رنج نہیں، امید کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے"۔ (نقش حیات ص ۱۴۴ جلد ۲)

اگر یہ شرعی مسئلہ تھا تو غلط فہمی سے اسے کیوں تعبیر کیا جا رہا ہے اور اس پر معذرت اور معافی کے کیا معنی ہیں۔ بلکہ غلط فہمی کے الفاظ نے اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ارباب اہتمام اور حضرت شیخ الہندؒ و مولانا سندھیؒ کی راہیں الگ الگ تھیں۔ اول الذکر حلقہ چاہتا تھا کہ حضرت نانوتویؒ کے مشن کے برخلاف دارالعلوم کے اساتذہ اور کارکنان قومی سیاست سے الگ تھلگ رہ کر صرف تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کی حد تک اپنی دلچسپیوں کو مذکور رکھیں تاکہ انگریز کے عتاب سے بچے رہیں، اور اس کے تقرب اور عنایات کے سزاوار ٹھہریں۔ جب کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے ساختہ و پرداختہ مولانا سندھی قومی سیاست سے عدم دلچسپی کو دارالعلوم کے مقاصد اور نصب العین سے انحراف سمجھتے تھے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ناقل ہیں :

"ایک دن ایسا ہوا کہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے فقیر کو یاد فرمایا اور کہا کہ تم حضرت شیخ الہندؒ سے مل کر دریافت کرو کہ واقعی سیاست میں حضرت والا کا صحیح مسلک کیا ہے ؟ شاید ظہر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے، مسجد کے احاطہ میں ایک کمرہ تھا، جسے اس زمانے میں دارالتصنیف کا نام دیا گیا تھا، اس کمرہ میں حضرت شیخ الہندؒ اپنی زندگی کے آخر مشغلہ یعنی ترجمہ قرآن مجید کا کام کچھ دیر کیا

کرتے تھے۔ فقیر تو اسی احاطے کا باشندہ تھا۔ نماز کے بعد حضرت اسی تصنیف و ترجمہ کے کمرہ میں تشریف لے گئے، تنہا تھے۔ موقع پاکر فقیر بھی پیچھے سے حاضر ہو کر عرض رسا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے جیسا کہ قاعدہ تھا خندہ جبینی سے فرمایا گیا کہ آؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟ بیٹھ گیا اور جو پیغام میرے سپرد کیا گیا تھا اسے پہنچا دیا گیا، سنتے رہے اپنی بات جب ختم کر چکا تو دیکھا کہ حضرت پر ایک خاص حال طاری ہے اور اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم جن کو وہ حضرت الاستاذ کے لقب سے یاد کرتے تھے، ان ہی کا نام لے کر فرمایا کہ:

"حضرت الاستاذ نے اس مدرسے کو کیا درس و تدریس تعلیم و تعلم کے لیے قائم کیا تھا۔ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا مرکز کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔

آخر میں ارشاد ہوا کہ

تعلیم و تعلم جن کا مقصد اور نصب العین ہے میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں لیکن خود اپنے لیے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لیے دارالعلوم کا نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔

(ماہنامہ دارالعلوم جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ صـ۴۲)

اس کے علاوہ دارالعلوم کے حلقے میں حضرت میں حضرت نانوتویؒ کا یہ جملہ زبان زد عام ہے کہ "فقیر نے اپنے مشغ پر علم کا نقاب ڈال دیا ہے" یہ تھا فکر و نظر کا وہ اختلاف جس کے شکار مظلوم مولانا سندھیؒ ہوئے اب جس کے جی میں جو آئے کہے، لیکن تاریخ نے جن حقائق کو اپنے سفینوں میں محفوظ کر لیا ہے اسے مٹا دینا ممکن نہیں، اور نہ محرم ۱۳۶۲ھ مطابق فروری ۱۹۴۳ء کے لکھے ہوئے واقعہ سے (جمعیۃ الانصار سے مولانا سندھی کے اخراج سے جوڑ کر) حقیقت پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے کیونکہ مولانا گیلانی ہی نے (جن کا سہارا لے کر مرحوم و مظلوم سندھیؒ کو نعوذ باللہ واجب القتل و مرتد گردانا جا رہا ہے) پوری صورتحال کو واشگاف کر دیا ہے۔

مظلوم سندھی کو معاذاللہ فاسد العقیدہ، واجب القتل وغیرہ ثابت کرنے کی سعیٔ غیر مشکور کے بعد لکھا جارہا ہے کہ:

"دوسرا طعن یہ کیا گیا ہے کہ ارباب اہتمام نے قومی تو دانقیاری یا ہندوستان کی آزادی میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ گویا وہ برطانوی حکومت کے پرستار یا اس کے وظیفہ خوار تھے پہلے طعن سے بھی زیادہ لچر اور پوچ ہے۔ (داستان کی حقیقت ص۱۱)

میری جس تقریر پر یہ خامہ فرسائیاں کی گئی ہیں اور جس کی آڑ لے کر اس فقیر کو طرح طرح کے خطابات والقاب سے نوازا گیا ہے۔ اس تقریر کا ریکارڈ ممکن ہے اب بھی دیوبند میں بعض لوگوں کے پاس محفوظ ہو، اس سنا جا سکتا ہے اس میں کہیں بھی یہ جملے نہیں ملیں گے جنھیں میری جانب منسوب کرکے یہ کرم فرمائیاں کی گئی ہیں ؎

وہ بات سارے فسانہ میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

لیکن جب سے اس قصہ پارینہ کو چھیڑا گیا ہے تو صحیح واقعات کو سامنے لانے کے لیے بہرحال کچھ لکھنا ہی پڑے گا۔ دعوی کیا جارہا ہے کہ "نفس الامری واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے (ارباب اہتمام) صرف جنگ آزادی میں ہی حصہ نہیں لیا بلکہ دوسروں کو بھی حصہ دار بنایا"۔

داستان کی حقیقت ص۱۱

یہ دعویٰ کہاں تک دعویٰ کے مطابق ہے، اس کو جانچنے کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، جس کے مقابلے میں یہ جنگ لڑی جارہی تھی یعنی حکومت برطانیہ کا خود تاثر ارباب اہتمام کے متعلق کیا تھا اور ان کے ساتھ وہ کیا معاملہ اور برتاؤ کرتی تھی۔ بس اسی چیز کو سامنے رکھ لیجئے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر اپنی اصلی ہیئت و حقیقت کے ساتھ ابھر کر سامنے آجائے گا۔ ملاحظہ ہو، ریشمی خطوط سازش کیس کا تعارفی حصہ جس میں حکومت برطانیہ کی سی آئی ڈی نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم کا تعارفی نوٹ یوں لکھتی ہے:

"محمد احمد حافظ شمس العلماء پسر محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند یہ مدرسہ کا مہتمم یا پرنسپل ہے اور وفادار ہے"۔ (کون کیا ہے ص۵۳)

ایک دوسرے مقام پر یہ تعارف کرایا ہے

"مدرسہ کے پرنسپل شمس العلماء مولوی حافظ محمد احمد جو اس ادارے کے مرحوم بانی کے فرزند ہیں وہ وفادار اور شریف آدمی ہیں"۔ کون کیا ہے ص۹۳)

ملاحظہ ہو ایک اور دلیل حکومتِ وقت کی عظیم نوازش کی، ارباب اہتمام کے معتمد مولانا مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں :

"اللہ اللہ وہ کتنی کڑی اور سخت گھڑی تھی۔ جب حکومت قائمہ (برطانیہ) کی طرف سے حضرت مفتی محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام یہ فرمان، مدرسہ آیا کہ نہری علاقہ میں زمین کا ایک بڑا سرسبز و شاداب رقبہ آپ کی خدمت میں حکومت پیش کرتی ہے۔ شاید سیکڑوں ہی ایکڑ یا بیگھے پر حکومت کا یہ موہوبہ رقبہ مشتمل تھا۔ مشورے کی اس مجلس میں جس میں حکومت کا یہ فرمان غور و خوض کے لیے پیش ہوا اس فقیر کو بلا کر شریک کر لیا گیا تھا۔ قبول کیا جائے یا نہ قبول کیا جائے، اس پر دیر تک بحث ہوتی رہی، آخر میں طے یہی ہوا کہ قبول کرنے کی صورت میں مدرسے کے اہتمام کا رشتہ حافظ مرحوم کو منقطع کر دینا پڑے گا"۔ (ماہنامہ دارالعلوم شوال ۱۳۷۲ھ)

چونکہ اس عطیہ برطانوی کو قبول کر لینے کی صورت میں دارالعلوم کا اقتدار و اہتمام جا رہا تھا۔ جیسا کہ شریک مجلس مولانا گیلانی مرحوم اطلاع دے رہے ہیں اس لیے ایک صورتِ حال کی نزاکت سے حکومت کو آگاہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، چنانچہ حکومت وقت نے ایک ایسی خوبصورت راہ نکال دی کہ عطیۂ شاہی سے فیض یابی بھی ہوتی رہے اور دارالعلوم کے اہتمام پر بھی آنچ نہ آئے یعنی حکومت کے اشارے پر نظام حیدرآباد نے مفتی اعظم کے منصب کو تفویض کر کے ایک اچھی خاص رقم بنام وظیفہ جاری کر دی۔ جو آج کل کے بیسیوں ہزار پر بھاری تھی اور گھر کے ہر ہر فرد کو پچاس پچاس روپے کا عطیہ، مزید براں یہ سلسلہ ۱۳۴۱ھ سے جاری رہا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم کے متعلق بھی حکومت کا تاثر وہی تھا جو مہتمم صاحب کے بارے میں تھا سی۔ آئی۔ ڈی اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے :

"حبیب الرحمٰن مولوی نائب مہتمم دیوبند مدرسہ مطلوب الرحمٰن کا بھائی ان تیرہ

منحرف اشخاص میں شامل ہے جو مولانا محمود حسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے ، حبیب الرحمٰن ، ایم عبید اللہ اور ایم محمود حسن کی اسکیموں میں شامل نہیں تھا ۔ اس کو وفادار سمجھا جا سکتا ہے" (کون کیا ہے ص۴۱)

ان سارے دلائل و شواہد سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ایک طرف تو حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقا ہر طرح کے خطرات کو مول لے کر حکومت برطانیہ سے حق خود اختیاری اور آزادی ملک کی جنگ لڑ رہے تھے ، دوسری جانب اربابِ اہتمام حکومت سے وفاداری جتانے کے لیے گورنروں کو دعوتیں دے کر ان کی مدح اور ستائش میں قصیدے اور ایڈریس پیش کر رہے تھے اور اس کے صلے میں عطیات و خطابات سے نوازے جا رہے تھے اور اس پر دعویٰ یہ ہے کہ "انھوں نے (ارباب اہتمام) صرف جنگ آزادی میں حصہ ہی نہیں لیا بلکہ دوسروں کو بھی حصہ دار بنایا" آخر ان تاریخی شواہد کے شواہد کے ہوتے ہوئے کون اس نرے دعوے کو باور کرا سکتا ہے ۔

اے کاش کہ حضرت مہتمم صاحب تاریخ کے اس دبے ہوئے زخم کو نہ کریدتے ، خدا شاہد ہے کہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے دل پر پتھر رکھ کر لکھا گیا ہے اور انتہائی مجبور کر دیے جانے پر ورنہ اپریل ۸۰ء ہی سے دفتر اہتمام اور دفتر رابطہ (دہلی) میرے خلاف جو مہم در پردہ چلا رہے ہیں میں نے ان کی جانب کوئی خاص توجہ نہ دی ، لیکن اب ذمہ دارانہ طور پر خود حضرت مہتمم صاحب بھی اس کارِ خیر میں بہ نفس نفیس شریک ہو گئے ہیں تو اب خاموشی اقبالِ جرم سمجھی جائے گی اس لیے صحیح صورتِ حال کو سامنے لانے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی بدرجہ مجبوری یہ ناخوشگوار فریضہ انجام دینا پڑا ؎

لگے گی چوٹ بربط پر تو نالے پھوٹ نکلیں گے
اگر یہ بھی گراں گزرے تو کوئی زخمہ زن کیوں ہو